عظمتِ صوم

حدیث قدسی ﴿وَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ﴾ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

K-36ماڈل ٹاؤن لاہور۔

www.tanzeem.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلصَّوْمُ لِیْ

جملہ عباداتِ اسلامی ......صلوٰۃ وزکوٰۃ اورصوم و حج...... میں سے عبادتِ صوم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے بارے میں متعدد روایات کی رُو سے، جن میں بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت بھی شامل ہے، ایک حدیثِ قدسی میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ

روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا

جنہیں بعض لوگوں نے اعراب کے ذرا سے فرق کے ساتھ یوں بھی پڑھا ہے کہ:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ

روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا ہوں!

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز خدا کے لئے نہیں؟ اسی طرح کیا زکوٰۃ اور حج اللہ کے سوا کسی اور کے لئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان سوالوں کا جواب صرف نفی ہی میں دیا جا سکتا ہے۔ قرآنِ حکیم کے واضح ارشادات ہیں:

۱۔ **وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ** (طٰہٰ:۱۴)

اور قائم کر نماز میری یاد کے لئے!

۲۔ **حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔** (البقرۃ:۲۳۸)

محافظت کرو نمازوں کی۔ اور خاص طور پر نماز وسطیٰ کی اور کھڑے رہو اللہ کے لئے پوری فرمانبرداری کے ساتھ!

۳۔ **وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا** (اٰل عمران:۹۷)

اورلوگوں کے ذمے ہے اللہ کے لئے حج بیت اللہ۔ جوکوئی بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے سفر کی

۴۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ(البقرة :۱۹۶)

اور پورا حج اور عمرے کو اللہ کے لئے

۵۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا(الدهر :۹)

ہم کھانا کھلاتے ہیں تمہیں صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ،اورتم سے طالب ہیں نہ کسی جزا کے نہ شکریے کے!

اس اشکال کا ایک سطحی سا حل بعض حضرات نے اس طرح کرنے کی کوشش کی ہے کہ روزے میں ریا ممکن نہیں ہے جب کہ بقیہ تمام عبادتوں میں ریاء کا امکان ہے،اس لئے کہ روزے کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہے جولوگوں کو نظر آسکے بلکہ وہ ایک راز ہے عبد اور معبود کے مابین۔ظاہر ہے کہ یہ بالکل بے بنیاد ہے اس لیے کہ نماز میں ریاء یہی تو ہے کہ پڑھے تو انسان نماز ہی لیکن خالصتہً لِوجہِ اللہ نہ پڑھے بلکہ اس میں لوگوں کو دکھانے کی نیت شامل ہو جائے بعینہٖ یہی معاملہ روزے کے ساتھ بھی ممکن ہے......رہی دوسری انتہائی صورت کہ انسان روزے سے نہ ہو اور لوگوں سے کہے کہ میں روزہ سے ہوں تو یہ ریاء نہیں دھوکا اور فریب ہے اور اسے مقابل کی صورت نماز کے معاملے میں یہ ہوگی کہ کوئی ظاہراً تو نماز کیلئے دست بستہ کھڑا ہو جائے لیکن بجائے سورۃ فاتحہ کے کوئی عشقیہ اشعار شروع کردے۔ یا نعوذ باللہ من ذالک،خداتعالیٰ اور رسول ؐ کو گالیاں دینا شروع کردے!......پھر ایک نصِّ قطعی کے طور پر موجود ہے وہ حدیث بھی جس کی رُو سے آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ صَلّٰى يُرَائِى فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِى فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِى فَقَدْ اَشْرَكَ (رواهُ احمد، مشكوة باب الرياء والسمّعه)

جس نے نماز پڑھی دکھاوے کیلئے وہ شرک کر چکا،اور جس نے روزہ رکھا دکھاوے کے لئے وہ شرک کر چکا اور جس نے خیرات دی دکھاوے کی غرض سے وہ بھی شرک

میں ملوث ہو چکا!

اس حدیثِ قُدسی کا یہی وہ اشکال ہے جس کے باعث یہ عام واعظین کے مواعظ میں تو بیان ہو جاتی ہے لیکن اسلام کے جدید 'مفکرین' کی تحریر و تقریر میں بار نہیں پاتی۔ اس لیے کہ واقعہ یہی ہے کہ دین کے بہت سے دوسرے لطیف تر حقائق جیسے عہدِ اَلَست، وَحی، الہام، کشف اور رُویائے صادقہ وغیرہ کی طرح اس حدیثِ قُدسی کی حقیقت بھی ان لوگوں پر منکشف نہیں ہو سکتی جو دَورِ حاضر کے مادّہ پرستانہ اور عقلیّت پسندانہ رُجحانات کے زیرِ اثر رُوحِ انسانی کے جسدِ خاکی سے علیٰحدہ مستقل وجود اور جُداگانہ تشخص اور اس کے ذاتِ باری کے ساتھ خصوصی ربط و تعلق کے یا تو سرے سے قائل ہی نہیں ہیں یا کسی درجے میں ہیں بھی تو اُس کے اعتراف و اعلان میں جھجک اور حجاب محسوس کرتے ہیں! بقول اکبرؔ الٰہ آبادی:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں

کہ اکبرؔ نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اس لئے کہ اس حدیثِ قُدسی کی واحد ممکن توجیہہ یہ ہے کہ روزہ روح کے تغذیہ و تقویت کا ذریعہ ہے جسے ایک تعلق خاص اور نسبت خصوصی حاصل ہے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ لہٰذا یہ گویا خاص اللہ کے لئے ہے جس کی جزا وہ بطورِ خاص دے گا۔ یا یوں کہہ لیں کہ چونکہ اس کا حاصل ہے تقرب الی اللہ تو گویا اللہ خود ہی بنفس نفیس اس کی جزا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ 'ارواحِ انسانی' کا ایجاد و اِبداع 'اجساد' کی تخلیق سے بہت پہلے ''جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَة'' (مُسلم عن ابی ھُریرہؓ) کی صورت میں ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام کی عالمِ اجساد میں تخلیق سے بہت قبل خود ان کی اور ان سے لے کر تا قیام قیامت پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی ارواح مستقل جداگانہ تشخص اور پورے شعورِ ذات اور فیما بین جُملہ امتیازات کے ساتھ موجود تھیں۔

اس حقیقت کے اوراک و شعور کے بغیر، واقعہ یہ ہے کہ عہدِ اَلَست کا وہ اہم واقعہ جسے قرآن مجید نے بڑے اہتمام اور شدومد کے ساتھ بیان کیا ہے اور جسے محاسبہ اخروی کے ضمن

میں ایک اہم حجت قرار دیا ہے یا تو محض تمثیل واستعار قرار پاتا ہے یا پھر اس کے بارے میں اچھے اچھے مصنفین کے قلم سے بھی نادانستہ انتہائی لغو اور مہمل جملے نکل جاتے ہیں۔ [۱] سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہ عہد اجسادِ انسانی کی تخلیق سے قبل عالم ارواح میں ارواح انسانی نے پورے ہوش اور شعور کے ساتھ کیا اور میدانِ حشر میں جب تمام نسلِ انسانی دوبارہ [۲] ''جُنُودٌ مُّجَنَّدَة'' کی صورت میں اپنے خالق کے سامنے پیش ہوگی تو یہی عہدِ اَلست ان کے خلاف حجت اولیٰ کے طور پر پیش ہوگا! (''مبادا تم کہنے لگو قیامت کے دن کہ ہم کو اس کی خبر ہی نہ تھی یا یوں کہنے لگو کہ اصل میں تو شرک کا ارتکاب کیا تھا ہم سے بہت پہلے ہمارے آباؤ اجداد نے اور ہم تو بعد میں ان کی نسل میں پیدا ہوئے تھے!'' سورۂ اعراف آیات ۱۷۲،۱۷۳)

اسی طرح اس حقیقت کو جانے اور مانے بغیر کوئی توجیہہ ممکن نہیں ان متعدد احادیث کی جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نہ صرف یہ کہ خلق کے اعتبار سے سب پر مقدم ہیں بلکہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ ابھی جسد آدمؑ تخلیق وتسویہ کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس روایت سے قطع نظر جس میں ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اس لئے کہ وہ محدثین کرام کے نزدیک مستند نہیں ہے، آخر اس حدیث کی کیا توجیہہ ممکن ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

---

(۱) مثلاً مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ''یہ اقرار انسان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی عالم غیب میں خدا نے اس سے لیا ہے''۔ (تدبر قرآن جلد سوم صفحہ ۳۹۴)

(۲) وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۬ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (الکھف: ۴۸)

''اور پیش کئے جائیں گے اپنے ربّ کے سامنے صف درصف (تب وہ فرمائے گا کہ) آ پہنچے ہو تم ہمارے پاس بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے پیدا فرمایا تھا تمہیں پہلی بار۔ لیکن تم تو اس مغالطے میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم تمہارے لیے اس ملاقاتِ مَوعُودۃ کے لئے کوئی وقت نہ متعین کریں گے!''

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسُول اللہ آپؐ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی!) ترمذی بحوالہ ترجمان السنہ اول

ظاہر ہے کہ اسکی ایک ہی توجیہہ ممکن ہے اور وہ یہ کہ اجسادِ انسانی کی تخلیق سے بہت قبل ارواحِ انسانی خلعتِ وجود سے مشرف ہو چکی تھیں اور ان کے مابین مراتب و مناصب کے جملہ امتیازات بھی موجود تھے۔!

بعدازاں جیسے ہی آدم کے جسد خاکی کا ہَیُولیٰ تخلیق و تسویہ کے طویل مراحل طے کر کے اس قابل ہوا کہ روح آدم اس سے ملحق کی جا سکے تو نفخ روح ہوا اور روح و جسد کا یہ مجموعہ مسجودِ ملائک قرار پایا بمطابق آیاتِ قرآنی:

۱۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (الحجر :۲۸،۲۹)

اور (یادکرو) جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے، میں پیدا کرنے والا ہوں اس سَنے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر کھنکھنانے لگا ہے ایک بشر، تو جب مَیں اسے پوری طرح مکمل کر چکوں اور اس میں اپنی رُوح میں سے پھونک دوں تو گر پڑنا اس کے لئے سجدے میں۔

۲۔ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ o فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ o(ص :۷۱،۷۲)

اور (یادکرو) جب کہا تیرے رَب نے فرشتوں سے، میں بنانے والا ہوں مٹی سے ایک بشر۔ تو جب میں اسے پوری طرح بنا کر درست کر دُوں اور پھونک دوں اس میں اپنی روح میں سے تو گر پڑنا اس کے لئے سجدے میں۔

اور پھر پوری نوعِ انسانی کو صُلبِ آدم سے متعلق کر دیا گیا۔ چنانچہ جیسے جیسے ارحامِ امہات میں افرادِ نوع انسانی کے اجساد تیار ہوتے رہے ایک خاص مرحلے پر جنودِ ارواح میں سے ایک ایک روح ان کے ساتھ متعلق کی جاتی رہی۔ جس کو تعبیر کیا سورۂ مومنون

میں "خَلْقًا اٰخَرَ" کے الفاظ مبارکہ سے اور جس کی خبر دی مزید وضاحت کے ساتھ صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ السلام نے۔ از روئے آیات وحدیث مندرجہ ذیل:

۱۔ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ o ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ o ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِه (السجدہ: ۷،۸،۹)

اور اس نے انسان کی تخلیق کا آغاز کیا مٹی سے، پھر چلائی اس کی نسل نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے۔ پھر اس کو درست کیا پوری طرح اور پھونکا اس میں اپنی روح میں سے۔!

۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ o (المؤمنون: ۱۲ تا ۱۴)

اور ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصے سے۔ پھر کر دیا ہم نے اس کو ایک بوند جمے ہوئے ٹھکانے میں، پھر بنایا اس بوند سے ایک علقہ اور پھر بنایا اس علقہ سے ایک لوتھڑا، پھر بنائیں اس لوتھڑے سے ہڈیاں، پھر پہنایا ہڈیوں کو گوشت۔ اور پھر اٹھایا اسے ایک اور ہی اٹھان پر۔ سو بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب سے اچھی تخلیق فرمانے والا۔!

۳۔ عَنْ اَبِى عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ هُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: ((اِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِىْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يُرْسَلُ اِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحَ (رواہ البخاری ومسلم)

ابو عبدالرحمٰن ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے جو سچے ہیں اور ان کی سچائی مُسلّم ہے کہ: "تم میں سے ہر ایک کی تخلیق رحمِ مادر میں چالیس دن تو نطفے کی صورت میں ہوتی ہے، پھر اتنے ہی دن علقہ کی صورت میں، پھر اتنے ہی دن مضغہ کی صورت میں۔ پھر اس کے بعد ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں رُوح پھونکتا ہے (اس حدیث کو روایت کیا امام بخاری اور امام

مسلم دونوں نے)

واضح رہے کہ یہاں روح سے مراد زندگی لینا بہت بڑا مغالطہ ہے اس لئے کہ بے جان تو نہ وہ ''بَیْضَۃُ الْاُنثٰی'' ہی ہوتا ہے جو طویل مسافت طے کر کے رحم میں پہنچتا ہے اور نہ ''نُطْفَۃُ الرَّجُل'' جو نہایت جوش وخروش سے حرکت کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ اس میں داخل ہوتا ہے۔ رہے علقہ اور مضغہ تو ان میں تو نشو ونما کا خالص حیاتیاتی عمل انتہائی زور شور سے جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بے جان مادے میں زندگی پھونکنے کا کوئی سوال نہیں بلکہ جسدِ انسانی کے ساتھ جو تخلیق وتسویہ کے مراحل طے کر رہا ہے روحِ انسانی کے الحاق کا معاملہ ہے، فافهم و تدبر!

اب آیئے اصل موضوع کی طرف!

حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک مرکب وجود کا حامل ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے:
ایک اس کا وجودِ حیوانی جو مجموعہ ہے جسم اور جان یا جسد وحیات دونوں کا اور دوسرے روحِ [(۱)] انسانی جس کے شرف ومجد کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات کی طرف نسبت دی! (وَنَفَخْتُ فِیهِ مِنْ رُّوْحِیْ!) ایک کا تعلق ہے عالمِ خلق سے جس میں تخلیق وتسویہ کا عمل لازماً تدریج وارتقاء کے مراحل سے ہو کر گزرتا ہے، جب کہ دوسرے کا تعلق ہے عالمِ امر سے جہاں ابداع اور ایجاد وتکوین کا ظہور کن فیکونی شان کے ساتھ ہوتا ہے بفحوائے الفاظ قرآنی:

۱۔ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل: ۸۵)
اور پوچھتے ہیں تم سے روح کے بارے میں۔ کہو رُوح میرے رَبّ کے امر سے ہے!

۲۔ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ ۢبِالْبَصَرِ (القمر: ۵۰)
اور نہیں ہے ہمارا امر مگر بس ایسے جیسے ایک لپک نگاہ کی!

---

(۱) اکثر لوگ روح کو حیات یا زندگی کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں حالانکہ زندگی تو جمیع حیوانات ہی نہیں نباتات تک میں ہے۔ وہ روحِ ربانی جس سے انسان جملہ حیوانات سے ممیّز ہوتا ہے بالکل دوسری چیز ہے!

۳۔ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (یٰس :۸۲)

اوراس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ وہ بس کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور ہو جا تا ہے!

مزید برآں......ایک کا رجحان ہے عالم سفلی کی طرف جبکہ دوسرے کی پرواز ہے عالمِ علوی کی جانب، بلکہ ایک بالقوہ ''اَسْفَلَ سَافِلِین'' (۱) کے حکم میں ہے تو دوسرے کا اصل مقام اعلیٰ ''علیین'' (۲) میں ہے،ایک خاکی الاصل ہے اور ''کُلُّ شَیْئٍ یَرجِعُ اِلیٰ اَصْلِہٖ'' (۳) کے مصداق ''وَلٰکِنَّہٗٓ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ'' (۴) کی مکمل تصویر، جبکہ دوسرا نوری الاصل اور ع: ''اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز تھا حسن!'' کے مصداق ہمیشہ عالمِ بالا کی جانب مائل ومتوجہ۔ایک خالصتہً حیوانات کی سطح پر ہے تو دوسرا فرشتوں کا ہم رتبہ ہی نہیں بالقوہ ان سے بھی آگے! بقولِ شیخ سعدیؒ ؎

آدمی زادہ طُرفہ معجون است — از فرشتہ سرشتہ وز حیواں

گویا دونوں باہم متضاد و متصادم ہیں۔چنانچہ ایک تقویت پاتا ہے تو دوسرا لازماً مضمحل ہوتا ہے اور ایک کا دباؤ بڑھے تو دوسرے کا کچلا جانا لازمی ہے! چنانچہ بطن وفرج کے تقاضوں کی بھر پور تسکین اور کثرت آرام واستراحت سے روح مضمحل ہوتی چلی جاتی ہے، حتی کہ وہ وقت بھی آجاتا ہے جب انسان کا جسد خاکی چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا الغرض ہر اعتبار سے زندہ ہی نہیں خوب فربہ وتوانا نظر آتا ہے درآنحال یہ کہ اس کی روح، کمزور اور لاغر ہوتی ہوتی بالآخر سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہے اور جسد انسانی اس روح کے لئے چلتی پھرتی قبر بن کر رہ جاتا ہے بقول علامہ اقبال (۱) ع ''روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد!''

---

(۱) سورۃ التین

(۲) سورۃ المطفّفین

(۳) ایک مقولہ: ''ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے!''۔

(۴) سورہ اعراف:۱۷۶

(۵) قرآنِ حکیم نے ایک سے زائد مقامات پر منافقین کے 'تن وتوش' کی جانب خصوصی اشارے کیے ہیں مثلاً سورۂ منافقون میں فرمایا!

وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ ط وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ ط کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ ◄◄

اور بفحوائے الفاظِ قرآنی:

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ(النمل:۸۰، روم:۵۲)

یقیناً (اے نبی) تم نہیں سنا سکتے (اپنی بات) مُردوں کو اور نہ سنا سکتے ہو (اپنا پیغام) بہروں کو!

افسوس کہ دورِ حاضر میں مادہ پرستانہ نقطۂ نظر کے تسلط کے باعث روح اور جسد کے جداگانہ تشخص اور ان کے تقاضوں کے باہم متضاد و متصادم ہونے کو شعور و ادراک عوام تو کجا خواص تک کو حاصل نہیں رہا۔ حتیٰ کہ بہت سے جدید، مفکرینِ اسلام، تو اس حقیقت کبریٰ کا ذکر بھی بطرزِ استہزاء و استحقار کرتے ہیں۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے ایک بہت بڑے 'مفکرِ اسلام'[۱] ''اسلام کا روحانی نظام'' کے عنوان سے ایک نشری تقریر میں فرماتے ہیں:

> ''فلسفہ و مذہب کی دنیا میں عام طور پر جو تخیل کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ روح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں کا عالم جدا ہے۔ دونوں کے تقاضے الگ بلکہ باہم مخالف ہیں...... اسلام کا نقطۂ نظر اس معاملے میں دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں سے مختلف ہے......''

اس ضمن میں انہوں نے 'دنیا پرستی' اور 'ترکِ دنیا' کی دو انتہائی صورتوں کی جو تردید کی ہے وہ اصولاً بالکل درست ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ ان کی توجہ اس حقیقت کی جانب کیوں منعطف نہ ہوئی کہ انسانی تاریخ میں ان دونوں انتہاؤں کی موجودگی بجائے خود اس کا ثبوت ہے کہ انسانی شخصیت میں دو بالکل متضاد اور مخالف قوتیں کارفرما ہیں۔ جن کے مابین مسلسل رسہ کشی جاری رہتی ہے۔ چنانچہ کبھی ایک پلڑا بھاری ہو جاتا ہے کبھی دوسری کا۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

◂◂ مُّسَنَّدَةٌ (سورہ منافقون:۴)

اور (اے نبیؐ) جب تم انہیں (منافقین کو) دیکھتے ہو تو ان کے تن و توش سے متاثر ہو جاتے ہو چنانچہ جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کی گفتگو کو بغور سنتے ہو۔ حالانکہ درحقیقت وہ سوکھی لکڑیوں کے مانند ہیں جنہیں سہارے سے رکھ دیا گیا ہو۔

(۱) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوزو سازِ رومیؔ کبھی پیچ و تاب رازیؔ

اسلام بلاشبہ ان کے مابین توازن پیدا کرنا چاہتا ہے اور عدم توازن (۱) کو ہرگز پسند نہیں کرتا لیکن توازن کا یہ تصور بجائے خود دلیل قاطع ہے جسد اور روح کے تضاد اور ان کے تقاضوں کے باہم متقابل ومتبائن ہونے کی۔ بقول شاعر ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای!
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش!

واقعہ یہ ہے کہ فکر ونظر کی اس بنیادی غلطی نے تصورِ دین کی پوری عمارت ہی کو کج کر ڈالا ہے۔ چنانچہ جب روح، صرف زندگی کے ہم معنی ہو کر رہ گئی تو 'دین' بھی بس ایک نظامِ حیات، بن کر رہ گیا اور مذہب کا ایک ایسا لا مذہبی (Secular) ایڈیشن تیار ہو گیا جس میں مذہب کے لطیف حقائق سرے سے خارج از بحث ہو گئے ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج! تا ثریا می رود دیوار کج!!

ایک حقیقت کی جانب مزید توجہ فرمالیجئے!

جسدِ انسانی یا انسان کا وجودِ حیوانی خاکی الاصل ہے چنانچہ اس کی جملہ ضرورتیں اور اس کے تغذیہ وتقویت کا تمام سامان بھی زمیں ہی سے حاصل ہوتا ہے جبکہ روح انسانی قدسی الاصل اور امرِ رب ہے لہٰذا اس کے تغذیہ وتقویت کی ضروت بھی تمام تر کلامِ ربانی ہی سے

---

(۱) اگرچہ عدمِ توازن کی تمام صورتیں برابر نہیں ہیں۔ چنانچہ بہت فرق ہے اس عدمِ توازن میں جو دنیا پرستی یا شکم پروری وشہوت پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس عدمِ توازن میں جو ترکِ دنیا یا رہبانیت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ سابقہ اُمتوں میں عدمِ توازن کی پہلی صورت کی مثال یہود ہیں جنہیں "**المغضوب علیھم**" قرار دیا گیا ہے اور دوسری صورت کی مثال نصاریٰ ہیں جنہیں صرف "**ضالین**" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید تقابل کے لیے دیکھئے سورۂ حدید، جس کے وسط میں یہود کا ذکر ہے جن کی دنیا پرستی نتیجۃً تھی قساوتِ قلبی، کا اور آخر میں مُتّبعین عیسیٰ علیہ السّلام کا ذکر ہے جن کی رہبانیت کو اگرچہ بدعت قرار دیا گیا لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ تھی یہ نیکی کے جذبے ہی کی ایک غیر معتدل صورت!

پوری ہوسکتی ہے جسے قرآن حکیم نے روح [1] ہی سے تعبیر کیا ہے از روئے آیاتِ مبارکہ:

۱۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَاط مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا(الشورٰی:۵۲)

اور اسی طرح (اے نبیؐ) ہم نے وحی کی تمہیں ایک رُوح اپنے امر سے (اس سے پہلے) تم کچھ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔ لیکن (اب) بنا دیا ہے اسے ایک نُور جس کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں ہم اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں!

۲۔ يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ(المومن:۱۵)

اِلقاء فرماتا ہے روح اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے!

۳۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (النمل:۲)

نازل فرماتا ہے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے امر سے، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے!

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں ایک دن کا روزہ اور دوسرے رات کا قیام اور اس میں قرأت واستماعِ قرآن! اور اگرچہ ان میں سے پہلی شق فرض کے درجے میں ہے اور دوسری بظاہر نفل کے، تاہم قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام دونوں نے اشارۃً اور کنایتہً واضح فرما دیا کہ یہ ہے رمضان المبارک کے پروگرام کا جزو لاینفک! چنانچہ قرآن نے وضاحت فرما دی کہ روزوں کے لئے ماہِ رمضان معین ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں قرآنِ مجید نازل ہوا تھا: گویا یہ ہے ہی نُزولِ

---

(۱) یہاں اس حقیقت کی جانب بھی توجہ ہو جائے کہ وحی کے لانے والے کو بھی قرآن نے کہیں ''روح القدس'' سے موسوم فرمایا ہے اور کہیں ''الروح الامین'' سے اور مہبطِ وحی بھی قرار دیا ہے قلب کو جو دراصل بمنزلہ 'شاہ درہ' ہے شہرِ روح کے لئے۔ تو حقیقت وحی کے ضمن میں بھی ایک کلید مل جاتی ہے اگرچہ یہ بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے! گویا وحی خود بھی روح، اس کے لانے والا بھی روح اور اس کا مہبط بھی روح۔ جگؔر کا ایک شعر اس نغمۂ وحی کی ماہیت کو خوب واضح کرتا ہے۔

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو ــــ روح سنے اور روح سنائے!

قرآن کا سالانہ جشن!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ: ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔

اوراحادیث نے تو بالکل ہی واضح کر دیا کہ رمضان المبارک میں 'صیام' اور 'قیام' لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں: چنانچہ:-

۱۔ امام بیہقیؒ نے رمضان المبارک کی فضیلت کے ضمن میں جو خطبہ آنحضور ﷺ کا 'شعب الایمان' میں نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ فَرِیْضَةً وَقِیَامَ لَیْلِهٖ تَطَوُّعًا

اللہ نے قرار دیا اس میں روزہ رکھنا فرض اور اس کا قیام اپنی مرضی پر۔

گویا قیام اللیل اگرچہ ''تَطَوُّعًا'' ہے تاہم اللہ کی جانب سے 'مجعول' بہرحال ہے!

۲۔ بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

''جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ' بخش دیئے گئے اس کے تمام سابقہ گناہ' اور جس نے (راتوں کو) قیام کیا رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ' بخش دیئے گئے اس کے جملہ سابقہ گناہ۔''

۳۔ امام بیہقیؒ نے 'شعب الایمان' میں حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ سے روایت کیا کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ ' یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّی مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَیَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ فَیُشَفَّعَانِ

''روزہ اور قرآن دونوں بندہ مومن کے حق میں سفارش کریں گے روزہ کہے گا اے

رب! میں نے اسے روکے رکھا دن میں کھانے اور خواہشات سے پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور قرآن کہے گا میں نے روکے رکھا اسے رات کو نیند سے پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔تو دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی‘‘

اور اب غور فرمایئے صوم رمضان کی حکمتوں پر!

حقائقِ متذکرہ بالا کے پیشِ نظر صیام و قیامِ رمضان کی اصلی غایت و حکمت اور ان کا اصل ہدف و مقصود ایک جملے میں اس طرح سمویا جاسکتا ہے کہ:......ایک طرف روزہ انسان کے جسد حیوانی کے ضعف و اضمحلال کا سبب بنے تاکہ روحِ انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوں اور بہیمیت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی اور سسکتی اور کراہتی ہوئی روح کو سانس لینے کا موقع ملے......اور دوسری طرف قیامُ اللیل میں کلامِ ربانی کا روح پرور نزول [۱] اس کے تغذیہ و تقویت کا سبب بنے......تاکہ ایک جانب اس پر کلامِ الٰہی کی عظمت **کَمَا حَقَّہٗ** منکشف ہوجائے اور وہ اچھی طرح محسوس کرلے کہ یہی اس کی بھوک کو سیری اور پیاس کو آسودگی عطا کرنے کا ذریعہ اور اس کے دُکھ کا علاج اور درد کا درماں ہے! اور دوری جانب روحِ انسانی از سرِ نو قوی اور توانا ہوکر ’’اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز‘‘ ہو گویا اس میں تقرب الی اللہ کا داعیہ شدت سے بیدار ہوجائے اور وہ مشغولِ دعا و مناجات ہو جو اصل روح ہے عبادت [۲] کی اور لُبِّ لُباب ہے رُشد و ہدایت کا!

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں صوم و رمضان سے متعلق آیات [۳] میں:

اولاً......مجرد صوم کی مشروعیت اور اس کے ابتدائی احکام کا ذکر ہوا اور اس کی غرض و غایت بیان ہوئی ’’**لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ**‘‘ کے الفاظ میں اور

ثانیاً......صومِ رمضان کی فرضیت اور اس کے تکمیلی احکام کا بیان ہوا اور اس کے ثمرات و

---

(۱) تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف!(اقبالؔ)

(۲) احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ’’**اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ**‘‘ اور ’’**اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ**‘‘

(۳) سورہ بقرۃ آیات ۱۸۳ تا ۱۸۷

نتائج کا ذکر ہوا دو طرح پر:

ایک...... وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

کے الفاظ میں جو عبارت ہے انکشافِ عظمتِ نعمتِ قرآن اور اس پر اللہ کی جناب میں ہدیہ تکبیر و تشکر پیش کرنے سے اور

دوسرے...... وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ

کے الفاظ میں جو عبارت ہے انسان کے متوجہ الی اللہ و متلاشیٔ قربِ الٰہی اور مشغولِ دُعا اور محوِ مناجات ہونے سے جو اصل حاصل ہے عبادتِ رَبّ کا!

الغرض! صیام و قیام رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ روح انسانی بہیمیت کے غلبے اور تسلط سے نجات پا کر گویا حیاتِ تازہ حاسل کرے اور پوری شدت وقوت اور کمالِ ذوق و شوق کے ساتھ اپنے رب کی جانت متوجہ ہو جائے!

اب ذرا ایک بار پھر سوچئے کہ یہ 'روحِ انسانی' درحقیقت ہے کیا؟ جیسے کہ پہلے واضح ہو چکا ہے، یہ "اَمـرِ رَبّـی" بھی ہے اور جلوۂ ربانی بھی۔ اس کا تعلق ذاتِ خداوندی کے ساتھ بالکل وہی ہے جو سورج کی ایک کرن کا سورج کے ساتھ کہ لاکھوں اور کروڑوں میل دور آ جانے کے باوجود اپنے منبع سے منقطع اور اپنے جداگانہ وجود کے باوصف اپنی اصل سے منفصل نہیں ہے...... بعینہٖ یہی کیفیت ہے روحِ انسانی کی کہ اپنے علیحدہ تشخص کے باوجود خدا سے منفصل نہیں بلکہ متصل ہے بقول عارفِ رومؔی ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس　　　ہست ربُّ الناس را با جانِ ناس!

گویا قلبِ انسانی کی مکین روحِ ربانی براہ راست متصل ہے ذاتِ رب کے ساتھ اور یہی ہے وہ عظیم امانت جس کے بارگراں کے نہ سماوات متحمل ہو سکے نہ ارض و جبال لیکن جو حصے میں آئی ظلوم و جہول انسان [۱] کے: ؎

آسماں بارِ امانت نتواں گشت کشید　　　قُرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند!

---

(۱) سورۂ احزاب آیت: ۷۲

یہی وجہ ہے کہ ایک حدیثِ قُدسی کی رو سے قلبِ مومن کی مکین خود ذاتِ الٰہی ہے:

مَا وَسَعَنِی اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ وَسَعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِن

میں نہ زمین میں سما سکا نہ آسمان میں، البتہ اپنے مومن بندے کے دل میں میری سمائی ہوگئی۔(ج۳ص۱۴، احیاء العلوم الدین، امام غزالیؒ)

؎ من نگنجم در زمین و آسماں لیک گنجم در دلِ مومن عیاں! (سعدیؒ)

تو کیا بالکل درست نہیں یہ قول مبارک کہ "**اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ**" ......بلکہ "**اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ**" ......اس لئے جب کہ دوسری بدنی اور مالی عبادتوں کا حاصل تزکیہ وتطہیر نفس وہاں صوم رمضان کا حاصل ہے تغذیہ وتقویتِ رُوح جو متعلق ہے براہ راست ذاتِ خداوندی کے ساتھ......لہٰذا روزہ ہوا خاص اللہ کے لئے، اب چاہے یوں کہہ لیں کہ وہ خود ہی اس کی جزا دے گا یا یوں کہہ لیں کہ وہ خود ہی بہ نفسِ نفیس اس کا انعام ہے، کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ خدا تو منتظر رہتا ہے کہ جیسے ہی کوئی بندہ خلوص واخلاص کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو وہ بھی کمالِ شفقت وعنایت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوجائے ...... یہاں تک کہ ایک حدیثِ قُدسی کی رو سے اگر بندہ اس کی جانب چل کر آتا ہے تو وہ بندے کی جانب دوڑ کر آتا ہے اور اگر بندہ اس کی طرف بالشت بھر بڑھتا ہے تو وہ بندے کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہے......

گویا بقول علامہ اقبالؔ مرحوم ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں!
راہ دکھلائیں کسے؟ رَہروِ منزل ہی نہیں!

☆ — ☆ — ☆

مرکزی **انجمن خُدّامُ القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ......اور...... سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم وحکمت** کی

وسیع پیمانے......اور......اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ۔ اور۔ غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہوسکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ

تنظیمِ اسلامی کا پیغام　　　　نظامِ خلافت کا قیام

تنظیمِ اسلامی

مروجہ مفہوم کے اعتبار سے

نہ کوئی سیاسی جماعت نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک اصولی

اسلامی انقلابی جماعت

ہے جو اولاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں

دینِ حق

یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر

نظامِ خلافت

کو قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے!

امیر: **حافظ عاکف سعید**